پاکستان کی ترقی میں دینی مدارس کا معاشرتی کردار

مولانا مشتاق احمد چنیوٹی

دینی مدارس کے قیام کا پس منظر:

انگریز تجارت کے بہانے ہندوستان میں آئے اور اپنی ریشہ دوانیوں سے تقریباً تمام ہندوستان پر قبضہ جمالیا۔ سلطان ٹیپو، نواب سراج الدولہ، سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید، تیتو میر اور دیگر مجاہدین برطانوی قبضہ کے خلاف جدوجہد کرتے رہے لیکن ضمیر فروشوں کی غداری کے باعث کامیاب نہ ہو سکے۔ اس سلسلہ کی آخری کوشش ۱۸۵۷ء میں مجاہدین نے کی لیکن وہ بھی داخلی کمزوریوں کے باعث ناکام رہے۔ مسلمانوں کی یہ ناکامی ہندوستان پر برطانوی مکمل اقتدار کا نقطۂ آغاز تھا۔

انگریز مسلمانوں کے جذبۂ حریت سے بے حد خائف تھا۔ سو اس نے اپنے تحفظ اور مسلمانوں کو مکمل طور پر کچلنے کے لیے کئی اقدامات کیے مثلاً

(۱)　مغلیہ طرز کے عدالتی نظام کا خاتمہ

(۲)　عربی فارسی کی جگہ انگریزی کی ترویج

(۳)　علماء کا قتل عام، زندہ بچ جانے والوں کی جلاوطنی

(۴)　ہزاروں دینی مدارس کی بندش

(۵)　مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے لیے فتنۂ قادیانیت کی سرپرستی

(۶)　علماء سو سے حرمتِ جہاد کے فتووں کا حصول

(۷)　مسلمانوں کی ہر شعبہ میں حوصلہ شکنی اور ہندوؤں کی سرپرستی

مسلم زعمائے ملت نے مسلمانوں کو مزید زوال سے بچانے اور انھیں ترقی دینے کے لیے اپنی اپنی سوچ کے مطابق کئی اقدامات کیے۔

(۱) مدارس کا قیام:

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دارالعلوم دیوبند، مولوی محمد مظہر نے مظاہر العلوم سہارن پور، مولانا محمد علی مونگیری نے ندوۃ العلماء لکھنؤ قائم کیا۔

(۲) جدید تعلیمی اداروں کا قیام:

بہت سے انگریزی تعلیم کے ادارے قائم کیے گئے۔ مثلاً مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ دہلی، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، انجمن حمایت اسلام کے تحت بڑے شہروں میں تعلیمی اداروں کا قیام۔

(۳) مسلم سیاسی جماعتوں کا قیام:

مسلمانوں نے اپنے سیاسی حقوق کے حصول کے لیے کئی سیاسی جماعتیں قائم کیں۔ مسلم لیگ، مجلس احرار اسلام، جمعیت علماء ہند، خاکسار تحریک، خدائی خدمت گاران وغیرہ۔ ان سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے انداز میں سیاسی جدوجہد کی اور تحریک آزادی کے لیے قربانیاں دیں۔ تاہم مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کا مطالبہ مسلم لیگ نے کیا اور وہ اس کے حصول میں کامیاب رہی۔

مدارس کی حکمت عملی:

انگریز دور میں جو دینی مدارس قائم کیے گئے۔ ان کے پیش نظر اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی علوم کا تحفظ تھا۔ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ معاشی ترقی چونکہ انگریزی تعلیم پر موقوف تھی۔ اس لیے طلباء کی تعداد انگریزی مدارس میں دینی مدارس کی نسبت ہمیشہ زیادہ رہی ہے۔

ایک حکایت:

دینی مدارس کے قیام کے اغراض و مقاصد کو مزید واضح کرنے کے لیے ایک حکایت نقل کی جاتی ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جب دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تھے۔ نظام حیدر آباد کی طرف سے ایک تجویز آئی کہ اگر فضلائے دارالعلوم دینی علوم کے ساتھ ساتھ انگریزی بھی پڑھ لیں تو ہم انھیں ملازمتیں فراہم کیا کریں گے۔ اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ نے یہ تجویز منظوری کے لیے حضرت گنگوہی کو لکھ بھیجی۔ حضرت گنگوہی نے جو فرمایا اس کا مفہوم یہ تھا کہ بھاڑ میں جائے ریاست حیدر آباد دکن۔ ہم نے دارالعلوم، ریاست حیدر آباد کی ملازمتیں حاصل کرنے کے لیے قائم نہیں کیا۔ مسلمانوں کی نماز، روزہ اور دینی تعلیم کا نظام باقی رکھنے کے لیے قائم کیا ہے۔

اس حکایت سے جہاں دینی مدارس کے قیام کی غرض و غایت واضح ہوتی ہے۔ وہاں بانیانِ دارالعلوم دیوبند کے خلوص و للّٰہیت کی خوشبو بھی صاف محسوس ہوتی ہے۔

مساجد کی آبادی:

دینی مدارس پاکستان کے مسلمانوں کی ایک اہم دینی ضرورت مسجد کی آبادی کا سبب ہیں۔ حفاظ و قراء نے مسجدیں آباد کر رکھی ہیں۔ ملک بھر میں کوئی ایسی مسجد نہیں جو امام مسجد نہ ملنے کی وجہ سے اذان و جماعت سے محروم رہی ہو۔

تعلیم قرآن مجید:

اکثر مساجد کے ائمہ نے مسجدوں میں قرآنی مکتب قائم کر رکھے ہیں جہاں بچوں کو حفظ و ناظرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جب کہ مدارس میں بچوں کو صحیح تلفظ اور قرأت سکھائی جاتی ہے۔ دینی مدارس کا یہ فیض ملک کی گلی گلی اور نگر نگر میں پھیل چکا ہے۔

مفت تعلیم:

موجودہ صدر پرویز مشرف ایک موقع پر یہ اعتراف کر چکے ہیں کہ دینی مدارس پاکستان کی سب سے بڑی این جی اوز ہیں۔ ان کے اس اعتراف کی وجہ یہ ہے کہ دینی مدارس میں تعلیم بالکل مفت دی جاتی ہے۔ واجبی فیس بھی وصول نہیں کی جاتی بلکہ طلباء کو رہائش و خوراک بھی بلا قیمت ملتی ہے۔ بیسیوں مدارس ایسے ہیں جہاں نادار طلباء کو نیا لباس بھی فراہم کیا جاتا ہے۔

دینی علوم کا تحفظ:

دینی مدارس کے قیام کا ایک بڑا مقصد علومِ نبوت کی تعلیم وتحفظ ہے۔قرآن وحدیث مکمل تشریحات کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں۔صرف اسی پر بس نہیں بلکہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے ان کے معاون علوم یعنی صرف،نحو،منطق،بلاغت، بدیع،بیان،فلسفہ،ادب،فقہ،اصولِ فقہ،اصولِ حدیث،اصولِ تفسیر وغیرہ بھی ایک منظّم پروگرام کے تحت پڑھائے جاتے ہیں۔

میں اگر یہ دعویٰ کروں کہ قرآن وحدیث کی تدریس وترویج کے مراکز ومکاتب سب سے زیادہ برصغیر پاک وہند میں ہیں اور باقی دنیا میں جہاں کہیں دینی مدارس قائم ہیں، وہ سب برصغیر کے مدارس کے بالواسطہ وبلاواسطہ خوشہ چیں ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

فضلائے مدارس کی سیاسی ومعاشرتی خدمات:

دینی مدارس کے فضلاء کی ایک بہت بڑی کھیپ نے نمایاں سیاسی ومعاشرتی خدمات سرانجام دیں۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، تحریک سید احمد شہید، تحریک ریشمی رومال، تحریک آزادی، تحریک خلافت ایسی بے شمار تحریکوں میں ہزاروں علماء نے جان ومال کی قربانیاں دیں۔قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔تحریک پاکستان میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء وتلامذہ کا کردار کسی سے مخفی نہیں ہے......یہ اعتراف خدمت ہی تھا کہ علامہ عثمانی نے سب سے پہلے پاکستان کا پرچم لہرایا اور محمد علی جناح کے انتقال پر انھوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

فضلائے مدارس کی علمی خدمات:

فضلائے دینی مدارس کی ایک بڑی تعداد نے بے شمار طریقوں سے قرآن وحدیث کی علمی خدمت کی:

(۱) قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں،بعض تفسیریں اردو دان طبقہ میں بے حد مقبول ہوئیں جیسے تفسیر عثمانی،معارف القرآن وغیرہ

(۲) قرآن مجید کے ترجمے مع مختصر حواشی لکھے۔

(۳) صحاح ستہ کے اردو تراجم، مختصر ومفصل شروحات، صحاح ستہ کے منتخب ابواب کی شروحات، چہل حدیث کے مجموعے۔الغرض حدیث کی خدمت پر بے شمار پہلوؤں پر علماء نے کام کیا ہے۔

(۴) جدید فقہی مسائل پر امت کی رہنمائی کے لیے مفتی حضرات خدمات سرانجام دے رہے ہیں، بہت سے مفتیان کرام کی اسلامی معیشت، بینکاری اور غیر سودی نظام پر تحقیقات انتہائی قابل قدر ہیں اور ان کا عالمی سطح پر بھی اعتراف کیا جاچکا ہے۔

(۵) مذکورہ پہلوؤں کے علاوہ بھی تعلیم، تدریس، تبلیغ، تحریر کے ذریعے بے شمار طریقوں سے اردو اور علاقائی زبانوں میں علماء کرام کی محنت جاری ہے۔

اسلامی عقائد کا تحفظ:

دینی مدارس کا مسلمانوں کے صحیح عقائد پر برقرار رکھنے اور مسیحیت، ہندومت، انکار حدیث، انکار سنت، بدعات شرکیہ افعال، انکار ختم نبوت وغیرہ بے شمار فتنوں اور گمراہیوں سے بچانے کے لیے نمایاں کردار ادا کیا۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، مولانا منظور احمد نعمانیؒ، شیخ احمد دیداتؒ اور ان کے فیض یافتہ حضرات کے مناظروں سے آج بھی فضائیں مہک رہی ہیں۔اگر دینی مدارس یہ تاریخی کردار ادا نہ کرتے تو نہ جانے مسلمان کن گمراہیوں کا شکار ہو چکے ہوتے۔

دعوت وتبلیغ:

دعوت وتبلیغ کے ذریعے مسلمانوں کو نیک کام کرنے، گناہ چھوڑنے اور سیدھی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ دعوت وتبلیغ کے اس کام میں فضلائے مدارس کا نمایاں کردار ہے۔

نفاذِ اسلام کی سعی:

۱۹۷۳ء میں قومی اسمبلی نے ایک نیا آئین تشکیل دیا۔اس وقت درج ذیل علماء کرام اسمبلی کے ممبر تھے۔مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ ، مولانا عبدالحقؒ ، مولانا محمد ذاکرؒ، مولانا عبدالحکیمؒ ، مولانا عبدالمصطفیٰ ازہریؒ، مولانا ظفر احمد انصاریؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ ۔ان علماء کی کوششوں کے نتیجہ میں

☆ اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب تسلیم کیا گیا۔
☆ قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی ممنوع قرار دی گئی۔
☆ ملکی قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کی ضمانت دی گئی۔

جہاد افغانستان میں حصہ:

۱۹۷۹ء میں روس نے افغانستان پر لشکر کشی کی تو افغان عوام کے شانہ بشانہ پاکستانی علماء نے بھی حصہ لیا اور افغان عوام کی دامے، درمے، قدمے، سخنے، مدد کر کے روسی عزائم کو ناکام بنایا۔مخصوص وجوہ کی بنیاد پر جہاد میں کامیابی کے باوجود افغانستان میں اگرچہ امن قائم نہیں ہوسکا لیکن علماء کی جفاکشی وجاں نثاری میں کوئی شک نہیں ہے۔

تحریکِ طالبان:

تحریک طالبان جو کہ افغانستان میں اٹھی اور اس نے ملا عمر کی قیادت میں حکومت بھی قائم کی۔تحریک طالبان کے اندازِ حکومت کے متعلق اگرچہ بعض حلقوں کو اعتراضات رہے ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تحریک طالبان کی قیادت بھی دینی مدارس کی فیض یافتہ تھی اور اس تحریک نے وسائل کی کمی، عالمی حمایت سے محرومی اور اپنوں کی مخالفت کے باوجود ایک مثالی نظام حکومت قائم کیا تھا۔

مجلس عمل کی کامیابی:

۲۰۰۲ء کے انتخابات میں علماء کرام نے متحد ہو کر الیکشن میں حصہ لیا اور کامیابی حاصل کی۔صوبہ سرحد میں جمعیت علماء اسلام کے رہنما محمد اکرم درانی وزیر اعلیٰ بنے۔

اردو کی ترویج:

اردو پاکستان کی قومی زبان ہونے کے باوجود سرکاری طور پر پنپ نہیں سکی۔ ہر حکمران طبقہ کے لیے انگریزی ہی سب کچھ ہے۔سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی مرحوم جب پنجاب اسمبلی کے ممبر تھے۔ ہر سال صوبائی بجٹ اردو میں پیش کرنے پر زور دیتے تھے لیکن حکمران وعدہ کرنے کی باوجود پورے نہ کر سکے۔ان حالات میں اردو زبان کی ترویج واشاعت میں دینی مدارس کی نمایاں خدمات ہیں۔دینی مدارس میں ذریعہ تعلیم اردو زبان ہے۔لاکھوں طلباء اردو لکھنے، بولنے، پڑھنے، سمجھنے کی

صلاحیت حاصل کر چکے ہیں۔

شرح خواندگی میں اضافہ:

ہر حکومت کا دعویٰ رہا ہے کہ ہم نے شرح خواندگی میں اضافہ کیا ہے۔لیکن یہ بلند بانگ دعوے حقائق کے منافی ہوتے ہیں۔ جتنے فی صد شرح خواندگی میں اضافہ بتایا جاتا ہے۔اس حساب سے تو پاکستان میں شرح خواندگی سو فیصد ہونی چاہیے جو کہ بہر حال نہیں ہے۔دینی مدارس کا شرح خواندگی بڑھانے اور حکومتی حلقوں کی معاونت کرنے میں بہت نمایاں کردار ہے۔یہ مدرسے جہالت کے اندھیروں کو دور کرنے اور قوم کے نونہالوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے میں تندہی سے مصروفِ عمل ہیں۔

رفاعی کام:

غریبوں،مسکینوں،یتیموں کی مدد کرنا اسوۂ حسنہ ہے۔دینی مدارس حسب ہمت اس اسوۂ نبویہ کی پیروی کر رہے ہیں۔مدارس کے طلباء کی ایک بڑی تعداد غریب خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے۔جس کی جملہ ضروریات کی ارباب مدارس کفایت کرتے ہیں۔ان کے علاوہ بعض بڑے مدارس نے اپنے ہاں شفاخانے قائم کر رکھے ہیں۔جن میں مستند اور ماہر فن ڈاکٹر حضرات سے طلباء کے علاوہ علاقہ کے عوام بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور مفت دوائی حاصل کرتے ہیں۔بعض مدارس میں آگ سے جلے ہوئے لوگوں کے لیے برن یونٹ قائم ہیں۔الرشید ٹرسٹ،الاختر ٹرسٹ وغیرہ کی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ ان اداروں کی انتظامیہ دینی مدارس سے ہی تعلق رکھتی ہے۔

جدید علوم کی تعلیم:

ایک عالم دین کے لیے جدید علوم سے واقفیت بہت ضروری ہے۔اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مدارس میں میٹرک تک لازمی تعلیم کا اہتمام ہے۔میٹرک کے طلباء اپنے علاقائی تعلیمی بورڈ کے تحت امتحان دیتے ہیں اور کامیابی حاصل کرتے ہیں۔بہت سے مدارس میں کمپیوٹر کی تعلیم بھی جز و نصاب ہے۔علاوہ ازیں اردو،عربی،انگریزی میں تقریر کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔کئی ایک مدارس اپنے طلباء کو بی اے،ایم اے تک کی تعلیم دلواتے ہیں۔جامعۃ الرشید کراچی نے ایک انقلابی قدم اٹھایا ہے وہ یہ کہ بی بی اے،ایم بی اے وغیرہ اسناد کے حامل حضرات کو چار سال میں درسِ نظامی کا کورس پڑھاتے ہیں تا کہ وہ دینی تعلیم حاصل کر کے ملک وقوم کی بہتر رہنمائی کر سکیں:

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

دینی مدارس کی معاشرتی خدمات دانشوروں کی نظر میں

(ا) علامہ اقبال:

ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو۔غریب مسلمانوں کے بچوں کو انھیں مدارس میں پڑھنے دو۔اگر یہ مُلا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوں انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔اگر ہندوستانی مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا۔ہندوستان میں بھی

آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

(۲) قدرت اللہ شہاب:

لُو سے جھلسی ہوئی گرم دوپہروں میں خس کی ٹٹیاں لگا کر پنکھوں کے نیچے بیٹھنے والے یہ بھول گئے کہ محلے کی مسجد میں ظہر کی اذان ہر روز عین وقت پر اپنے آپ کس طرح ہوتی رہتی ہے؟ کڑکڑاتے جاڑوں میں نرم وگرم لحافوں میں لپٹے ہوئے اجسام کو اس بات پر کبھی حیرت نہ ہوئی کہ اتنی صبح منہ اندھیرے اٹھ کر فجر کی اذان اس قدر پابندی سے کون دے جاتا ہے؟ دن ہو یا رات، آندھی ہو یا طوفان، امن ہو یا فساد، دور ہو یا نزدیک، ہر زمانے میں شہر شہر، گلی گلی، قریہ قریہ، چھوٹی بڑی کچی پکی مسجدیں اسی ایک مُلا کے دم سے آباد تھیں۔ جو خیرات کے ٹکڑوں پر مدرسوں میں پڑھتا تھا اور دربدر کی ٹھوکریں کھا کر گھر بار سے دور کہیں اللہ کے کسی گھر میں سر چھپا کر بیٹھ رہا تھا۔ اس کی پشت پر نہ کوئی تنظیم تھی نہ کوئی فنڈ تھا، نہ کوئی تحریک تھی۔ اپنوں کی بے اعتنائی، بیگانوں کی مخاصمت، ماحول کی بے حسی اور معاشرے کی کج ادائی کے باوجود اس نے نہ اپنی وضع قطع کو بدلا اور اپنے لباس کی مخصوص وردی کو چھوڑا۔ اپنی استعداد اور دوسروں کی توفیق کے مطابق اس نے کہیں دین کا شعلہ، کہیں دین کی شمع، کہیں دین کی چنگاری روشن رکھی۔ یہ مُلا ہی کا فیض تھا کہ کہیں کام کے مسلمان، کہیں نام کے مسلمان، کہیں محض نصف نام کے مسلمان ثابت وسالم برقرار رہے۔ برصغیر کے مسلمان، مُلا کے اس احسان عظیم سے کسی طرح سبک دوش نہیں ہو سکتے۔ جس نے کسی نہ کسی طرح ان کے تشخص کی بنیاد کو ہر دور اور ہر زمانے میں قائم رکھا۔

(۳) عبدالقادر حسن:

برصغیر پاک و ہند میں جب مسلمانوں کی حکومت ختم ہوئی اور ایک کافر قوم کی حکومت قائم ہوئی تو مسلمانوں کے دین کو بچانے کے لیے مولوی نے جہاد بھی کیا اور مدرسوں پر بھی توجہ دی۔ یہی وہ مولوی اور ان کے دینی مدرسے تھے۔ جس کی وجہ سے آج ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور اسلام کو ایک دین اور زندگی کا نظام سمجھتے ہیں۔ اگر یہ مدرسے نہ ہوتے، اگر مولوی نہ ہوتے تو ہم اور تو کچھ ہوتے یا نہ ہوتے مسلمان نہ ہوتے اور ایک طرف ہندو دوسری طرف انگریز، ہمیں ختم کر چکے ہوتے اور ہم نہ جانے کیا ہوتے۔ ہمارا کوئی الگ تشخص نہ ہوتا۔ یہ مدرسے ایک خاص علم کی تعلیم کے لیے ہیں جیسے کوئی میڈیکل کالج ہوتا ہے یا انجینئرنگ کالج ان میں قرآنی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس سے ہرگز منع نہیں کیا جاتا کہ کوئی طالب علم کچھ اور نہ پڑھے۔ لاتعداد بڑے مدرسوں میں آپ کمپیوٹر دیکھتے ہیں لیکن ان کا اصل موضوع قرآن وسنت کے علوم ہیں۔ کیا آپ کسی فنی تعلیم کے کالج اور یونی ورسٹی میں قرآنی علوم کی تعلیم رائج کرتے ہیں؟ تو پھر ان مدرسوں کے مزاج کو بدلنے کی کیا مجبوری ہے؟

دینی مدارس پر اعتراضات کا جائزہ

اعتراض نمبر ا:

دینی مدارس میں جدید علوم میڈیکل، انجینئرنگ وغیرہ کی تعلیم کیوں نہیں دی جاتی؟

جواب:

آج کے دور میں علوم کی سرحدیں بہت پھیل چکی ہیں۔ عملی طور پر یہ ناممکن ہے کہ تمام علوم پر دسترس حاصل کی جا سکے۔ پھر یہ بات ہے کہ کسی ایک فن کی بھی حدود بہت وسیع ہیں۔ ایک فن کے تمام شعبوں میں بھی یکساں مہارت بہت مشکل

کام ہے ۔مثال کے طور پر میڈیکل کو لے لیں ۔جسم کے ہر ہر عضو پر الگ الگ سپیلائزیشن کرائی جاتی ہے ۔طبیہ کالج میں انجینئرنگ اور انجینئرنگ کالج میں میڈیکل کی تعلیم دینے کا مطالبہ کوئی نہیں کرتا۔ جو ادارہ جس فن کی تعلیم کے لیے قائم کیا گیا ہے' اس میں اسی فن کی ہی تعلیم دی جاتی ہے' دوسروں فنون کی نہیں۔اس لیے دینی مدارس سے یہ مطالبہ کہ مثلاً وہاں میڈیکل کی تعلیم دی جائے۔ بنیادی طور پر غلط ہے۔اس طرح وہ مدرسہ مدرسہ نہ رہے گا' میڈیکل کالج بن جائے گا۔

بایں ہمہ ارباب مدارس اور دینی مدرسوں کے وفاق انگریزی تعلیم کے خلاف نہیں ہے ۔میٹرک تک کا سرکاری نصاب مدارس میں بعض ترجیحات کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے اور طلباء انگریزی کے ساتھ میٹرک کا سرکاری امتحان دیتے ہیں اور اچھے نتائج حاصل کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر۲:

مدارس میں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے۔

جواب:

دینی مدارس پہ مذکورہ الزام اسی طرح غلط ہے جس طرح مرزا قادیانی کی نبوت غلط ہے۔سامراجی طاقتوں کا اسلامی ممالک پر شر پسندی کا الزام غلط ہے۔موسم بہار کو خزاں، روشنی کو اندھیرا اور دن کو رات کہنا غلط ہے۔

مذکورہ اعتراض جو آج بعض سرکاری وسیکولر حلقے دینی مدارس پر عائد کرتے ہیں۔یہ اعتراض بھی وہ اپنے سرپرستوں کی زبانی سن کر کسی تحقیق کے بغیر عائد کر رہے ہیں۔کسی برطانوی سیاست دان نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا'' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔'' آج کے دور کے مسلمان کہلانے والے نام نہاد دانشور انداز بدل بدل کر اس اعتراض کو دہراتے چلے آرہے ہیں۔اس سلسلے میں چند نکات قابل غور ہیں:

(۱)　دہشت گردی کی مسلمہ تعریف کیا ہے؟

(۲)　ان مدارس کے نام لیے جائیں جن میں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے؟

(۳)　معترضین کے بقول جو دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے۔اس کے نتائج کیا ہیں؟ سرکاری وغیر سرکاری معترضین سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا سرکاری تعلیمی اداروں میں ہنگامے ،غنڈہ گردی اور قتل وغارت گری کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے ۔کیا اساتذہ طلباء کے ہاتھوں قتل نہیں ہوتے ؟ کیا یونیورسٹیوں کے ہاسٹل اسلحہ سے پاک ہیں؟ کیا مخلوط تعلیم کے نتیجہ میں طالبات زنا بالجبر سے محفوظ ہیں؟ کیا حکومت عریانی وفحاشی کی سرپرستی نہیں کر رہی؟ قومی املاک کو کون نذر آتش کرتے ہیں، سرکاری تعلیمی اداروں کے طلباء یا دینی مدارس کے طلباء؟

مذکورہ تمام سوالات کے جوابات نفی میں ہونے کے باوجود سرکاری نظام تعلیم کی خرابیاں سب پر واضح ہونے کے باوجود ادھر سے آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں ۔اس لیے کہ ان شر پسند عناصر کے سرپرست اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے ہیں اور حکومتوں میں حصہ دار ہوتے ہیں۔معترضین کو بخوبی علم ہے کہ:

(۱)　دینی مدارس کے طلباء دن رات قرآن وعلوم نبویہ کی تعلیم میں مصروف رہتے ہیں۔

(۲)　ان کی زندگیاں مساجد ومدارس تک محدود ہیں۔

(۳) وہ سیاسی تحریکات سے الگ رہتے ہیں۔

(۴) اسلحہ چلانا تو کجا طلباء کی اکثریت کو صحیح طرح سے اسلحہ پکڑنا بھی نہیں آتا۔

(۵) پاکستانی معاشرہ میں ہونے والی چوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری، لوٹ مار میں ارباب مدارس کا ذرہ برابر بھی کردار نہیں ہے۔

(۶) مدارس کے طلباء نے دہشت گردی تو کیا پھیلانی ہے یہ غریب تو جغرافیہ سے بھی لاعلم ہوتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہوں گے جنھیں یہ معلوم نہ ہوگا کہ جیکب آباد سندھ میں ہے یا سرحد میں۔ لیکن ان سب امور کے باوجود مدارس پر دہشت گردی کا الزام ''میں نہ مانوں'' کی ضد اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔

چند سال پہلے کی بات ہے کہ اسلام آباد میں منعقد ہونے والے ایک علماء کنونشن میں محترم چودھری شجاعت حسین نے دوٹوک الفاظ میں بتایا کہ جب میں وزیر داخلہ تھا۔ ایجنسیوں کے ذریعے میں نے ملک بھر کے دینی مدارس کے متعلق تحقیقات کرائیں تو مجھے سب ایجنسیوں نے یہ رپورٹ دی کہ ملک بھر میں ایک مدرسہ بھی دہشت گردی میں ملوث نہیں ہے۔ لیکن المیہ تو یہ ہے کہ بعض سرکاری حلقے، اپنی سرکاری عہدیداروں کی بات ماننے کو بھی تیار نہیں ہیں۔

لال مسجد کے واقعہ کی وجہ سے تمام مدارس کو موردالزام ٹھہرانا درست نہ ہوگا۔ اس لیے کہ:

(۱) لال مسجد والوں کے لیے جو حالات پیدا کیے گئے تھے۔ انھوں نے اس کا ردّعمل ظاہر کیا۔ وہ ان کا لائحہ عمل نہ تھا۔ ردّ عمل اور لائحہ عمل میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ردّ عمل ہمیشہ غیر آزادانہ اور جذباتی ہوتا ہے۔ حالات کی پیداوار ہوتا ہے۔ سوچا سمجھا منصوبہ نہیں ہوتا۔

(۲) وہاں جو اسلحہ ٹی وی پر دکھایا گیا وہ ہزاروں قیمتی جانوں کے ضیاع کے بعد رکھا گیا۔ اگر اتنا خطرناک اسلحہ وہاں موجود تھا تو انھوں نے استعمال کیوں نہ کیا۔

بہر حال لال مسجد کے المناک واقعہ کے نتیجہ میں تمام مدارس کو ٹارگٹ بنانا غلط ہوگا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا موقف جو کہ ملک بھر کے اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکا ہے، ہماری تائید کرتا ہے۔

اعتراض نمبر۳:

دینی مدارس قومی دھارے میں شامل نہیں ہیں۔

جواب:

یہ اعتراض بھی دینی مدارس کے قیام کے اسباب پر نظر نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔ دینی مدارس کے قیام کی وجوہات درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن و سنت کی تعلیمات کا فروغ

(۲) ائمہ مساجد کی فراہمی

(۳) دینی رہنماء کے لیے علماء کی تیاری

(۴) دینی علوم کی تدریس کے لیے اساتذہ کی فراہمی

جب تک حکومتی حلقے مذکورہ چاروں کاموں کی ذمہ داری قبول اور اس کے لیے قابل عمل طریق کار تجویز پیش نہیں کرتے۔ دینی مدارس اپنے مشن کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ اگر بالفرض حکومتی حلقے مذکورہ ذمہ داری قبول کر بھی لیتے ہیں تو اس کا حشر

جامعہ عثمانیہ اوکاڑہ، جامعہ عباسیہ بہاول پور سے مختلف نہ ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ حکومت تعلیم، ریلوے وغیرہ مختلف ادارے اور محکمے تو نجی شعبہ کو دے رہی ہے، انھیں سنبھالنے سے قاصر ہے اور مساجد و مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کے لیے اسے قومی دھارے میں لانے کے لیے بے تاب و مضطرب ہے۔ جب تک مدارس کا نصاب مالیاتی نظام اور خود مختاری سرکاری اثرات سے محفوظ رہے گی۔ مدارس کے قیام کے اغراض و مقاصد پورے ہوتے رہیں گے اور جب مدارس جزوی یا کلی طور پر حکومتی تحویل میں چلے جائیں گے تو ان کا وہی حشر ہوگا جو دیگر سرکاری اداروں کا ہو رہا ہے۔ اس لیے اربابِ مدارس اپنے نظام و نصاب کو سرکاری پالیسیوں سے آزاد رکھنے پر مصر ہیں۔

اعتراض نمبر۴:

یہ مدارس بنیاد پرستی کو فروغ دے رہے ہیں۔

جواب:

دینی مدارس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ انسانیت کی رہنمائی کے لیے انفرادی و اجتماعی عقل و رائے کافی نہیں ہے بلکہ انسانی عقل کو آسمانی تعلیمات کے تابع کرنا ضروری ہے۔ اگر انسانی عقل آسمانی وحی کے تابع نہ ہوگی تو شراب کی حرمت، ہم جنس پرستی، بہن بیٹی سے نکاح کا عدم جواز سمجھ نہ آسکے گا۔ محض عقل کی بنیاد پر ان امور کی قباحت ثابت نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے اگر معترضین کی مراد یہ ہے کہ دینی مدارس محض عقل کی بنیاد پر بنائی ہوئی معاشرتی اقدار اور سیکولر تہذیب و ثقافت کے فروغ میں دینی مدارس رکاوٹ ہیں تو دینی مدارس کو اپنے اس کردار پر فخر ہے اور فخر رہے گا۔

اعتراض نمبر۵:

دینی مدارس میں مخالف فرقوں کے افراد قتل کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔

جواب:

یہ اعتراض بھی سفید جھوٹ ہے۔ کسی مدرسہ میں کوئی ایسی کتاب شامل نصاب نہیں ہے جو مخالف عقائد رکھنے والے افراد کو قتل کرنے کی تعلیم دیتی ہو۔ مجلس عمل کے نام سے جو دینی سیاسی جماعتوں کا اتحاد اس وقت قائم ہے اس میں مختلف مذہبی اعتقادات رکھنے والی جماعتیں شامل ہیں۔ اگر مذکورہ اعتراض میں کوئی صداقت ہوتی تو یہ اتحاد قائم ہوتا اور نہ ہی چل سکتا۔ مجلس عمل کا قیام مذکورہ اعتراض کے لیے بے بنیاد ہونے کا عملی ثبوت۔

اعتراض نمبر۶:

دینی مدارس میں جہاد کی تربیت دی جاتی ہے اور طلباء تربیت حاصل کرتے ہیں۔

جواب:

یہ جواب ہم اپنی طرف سے دینے کی بجائے معروف سکالر، دانشور مولانا زاہدالراشدی کی زبانی نقل کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''اس سلسلہ میں عرض ہے کہ دو مسئلے قطعی طور پر الگ الگ ہیں۔ ایک مسئلہ جہاد کے بارے میں شرعی احکام اور قرآن وسنت کے فرمودات کی تعلیم کا ہے وہ یقیناً ان مدارس میں ہوتی ہے اور اسی طرح ہوتی ہے جس

طرح قرآن وسنت کے احکام وقوانین کے باقی شعبوں کی ہوتی ہے۔ یہ دینی تعلیمات کا حصہ ہے اور کسی دینی ادارے کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ قرآنی، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہی ابواب کو صرف اس لیے نصاب سے خارج کردے کہ دنیا کے کچھ حلقے اس سے ناراض ہوتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ جہاد کی عملی تربیت اور عسکری ٹریننگ کا ہے۔ یہ ان مدارس میں کسی سطح پر نہیں ہوتی اور نہ ہی ان مدارس میں ایسا کوئی نظام موجود ہے جو طلبہ کو اس طرح کی ٹریننگ دیتا ہو۔ اس لیے یہ کہنا قطعی طور پر غلط ہے کہ دینی مدارس اپنے طلبہ کو عسکری ٹریننگ دیتے ہیں، البتہ دینی مدارس کے طلبہ یہاں سے فارغ ہو کر یا چھٹیوں کے دوران اپنی آزادانہ مرضی سے کسی دباؤ کے بغیر جہاد تحریکات کے مراکز میں جاتے ہیں، ٹریننگ حاصل کرتے ہیں اور کسی نہ کسی محاذ پر جہاد میں شریک بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا مدارس کے نظام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی ٹریننگ کے یہ مراکز مدارس کے سسٹم میں شامل ہیں۔ ان کا نظم اور ذمہ داری بالکل مختلف دائرہ سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے لیے دینی مدارس کو ذمہ دار ٹھہرانا قطعی طور پر غلط ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے سرکاری کالجوں، سکولوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ ہزاروں نوجوان مختلف عسکری تنظیموں میں شامل ہو جاتے ہیں جن میں جہادی تحریکات بھی ہیں، لسانی گروپ بھی ہیں، علاقائی تنظیمیں بھی ہیں اور طبقاتی گروہ بھی ہیں۔ حتیٰ کہ ڈکیتی اور رہزنی کے گینگ بھی ان میں شامل ہیں، یہ نوجوان بھی مختلف ٹریننگ سنٹروں میں عسکری تربیت حاصل کرتے ہیں اور اس کی بنیاد پر کارروائیاں کرتے ہیں لیکن ان میں سے کسی گروہ کی کارروائیوں کا ذمہ دار ان کے تعلیمی اداروں کو قرار نہیں دیا جا سکتا اور انہیں ان کے ذاتی فعل اور فیصلے پر محمول کیا جاتا ہے بالکل ایسے ہی دینی مدارس کے طلبہ بھی اگر تعلیمی نظام اور ڈسپلن سے ہٹ کر جہادی تحریکات میں شامل ہوتے ہیں اور عسکری تربیت حاصل کر کے کسی کارروائی میں حصہ لیتے ہیں تو ان کے لیے دینی مدارس کو ذمہ دار قرار دینا قرین انصاف نہیں ہے۔'' (دینی مدارس کا نصاب ونظام ص ۲۹، ۳۰)

نتائج وبحث:

(۱) گزشتہ دس پندرہ سال سے دینی مدارس ایک بحران کی زد میں ہیں اور وہ بحران ہے ''عالمی دباؤ'' عالمی طاقتیں اصلاح کے نام پر مدارس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہتی ہیں جو مولانا رومؒ کی حکایت کے مطابق ایک بڑھیا نے شاہی باز کے ساتھ کیا تھا کہ اس نے سوچا باز کو لمبی چونچ بڑے ناخنوں اور لمبے پروں سے تکلیف ہوتی ہوگی۔ اس نے یہ سب ہمدردی جذبہ کے تحت کاٹ دی تھیں۔ سو عالمی طاقتیں بھی اپنے نمائندوں کے ذریعہ مدارس کے ساتھ ایسا ہی طرز عمل اختیار کرنے کے درپے ہیں۔ مغرب کی ہمدردی **کلمة الحق ارید بها الباطل** کے قبیل سے ہے۔ اس کے لیے ارباب مدارس کو بڑے تحمل، تدبر سے چلنے کی ضرورت ہے۔ غیر جذباتی طرز عمل اختیار کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

(۲) دینی مدارس کے معاشرتی کردار کے اپنے، پرائے سب معترف ہیں۔ ان کا یہ معاشرتی کردار باقی رکھنے کے لیے انہیں پالیسیوں میں آزاد رکھنا ضروری ہے۔ حکومت اس ضمن میں کسی حد تک عالمی دباؤ کے سامنے مزاحمت کرتی ہے۔ یہ اس کی دینی حمیت اور خارجہ پالیسی کا امتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دیں، فتنوں سے بچائیں، علماء کرام اور دینی مدارس کی حفاظت فرمائیں۔ آمین ثم آمین